© rasailojaraid.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اشارات

اِن سطور کو لکھتے وقت پندرھویں صدی ہجری کے پہلے ماہِ ربیع الاوّل کی دوسری دہائی ختم ہونے والی ہے۔ اور یہ شمارہ جب قارئین کو ملے گا تو اُس وقت ربیع الاوّل اختتام کو پہنچ رہا ہوگا۔

اِس موقع پر ایک لمحۂ فکریہ!

اِسلام آباد اور راولپنڈی میں مَیں نے دیکھا کہ ۱۲ ربیع الاوّل کو عیدِ میلاد النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تقریب بڑے جوش و خروش سے منائی گئی۔ کوئی حساب نہ تھا جھنڈیوں کا جو ہر کوچہ و بازار میں لہرا رہی تھی، رنگ برنگی روشنیوں کے ہر طرف ریلے تھے اور ہجومِ مرد و زن کے میلے۔ سیرت کی سرکاری کانفرنس کے علاوہ ہر مسجد اور ہال میں جلسۂ سیرت تھا۔ اور ہر محکمے اور ادارے کے زیرِ اہتمام میلاد کی مجالس ہو رہی تھیں۔ بے شمار اگربتیوں سے مہک دار دھوئیں کے ہلکے ہلکے مرغولے اُٹھ رہے تھے۔ مٹھائیوں کی دکانوں پر کھوئے اور شکر اور میدے اور گھی سے بنی ہوئی چوکور اور گول اور رنگ برنگی مٹھائیوں کے پہاڑ کھڑے تھے۔ جلوس رواں تھا، بلکہ کئی کئی جلوس اِدھر سے اُدھر متحرک تھے جن کی وجہ سے ٹریفک بند تھا۔ طرح طرح کے ملکی اور غیر ملکی لباس پہنے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ کے اُمتیوں کی ٹولیاں درود و سلام پڑھتی اور قوالی کے طرز پر نعتیں گاتی گامزن تھیں۔

یہی سماں ہر شہر میں ہوگا، اور اس سے کم تر سہی، مگر دیہات میں بھی گہما گہمی ہوگی

سوال یہ ہے کہ کیا یہ تہواری جشن ہمارے کرداروں میں تبدیلیاں لانے کے لحاظ سے بھی کچھ افادیت رکھتے ہیں۔ خدا و رسول کے مقرر کردہ دو مبارک دن —— یومِ عید الفطر اور یومِ عید الاضحیٰ ہوں یا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خود ہماری ایجاد کردہ تقاریب محرم و میلاد، ان کی رونق برسوں سے قائم ہے بلکہ مسلسل بڑھتی جا رہی ہے۔ اگر ان چار دن مواقع پر ہر سال سو سو آدمیوں کے اخلاق اور معاملات میں تغیر آتا تو ۳۴ برس کے عرصے میں ہمارے یہاں تیرہ ہزار چھ سو کی تعداد میں صادق و امین افراد پیدا ہو سکتے تھے۔ مگر ایسا نہیں ہوتا۔

سوچیے کہ کتنے رشوت لینے والے ہیں جو یوم میلاد کے موقع پر حضورؐ کی یا د تازہ کرکے یا حضورؐ کی دعوت و سیرت اور اعجازات و کمالات کو سن کر رشوت لینا ترک کر دیں؟ کتنے لوگ بے جا نفع اندوزی سے تائب ہوتے ہوں گے؟ کتنے اپنی نگاہوں کے راہواروں کو حرام کی چراگاہ میں داخل ہونے سے باز رکھنے کا فیصلہ کرتے ہوں گے؟ کتنے حکام و عمال کبر و ظلم کا طریقہ چھوڑ کر عوام سے محبت و خدمت کا طرزِ عمل شروع کر دیتے ہوں گے؟ کتنے لکھنے والے نطق و بیان کی قوت کو اسلامی اقدار کے خلاف، بیگانہ و منافقانہ نظریات کی سربلندی سے روک لیتے ہوں گے؟ کتنے قوی لوگ ضعیفوں کو تنگ کرنے سے باز آجاتے ہوں گے؟ کتنے شرابی اور جواری شراب اور جوئے سے تائب ہوتے ہوں گے؟ کتنے بے نمازی ایسے مبارک موقعوں کے زیرِ اثر مسجدوں کی صفوں میں آکھڑے ہوتے ہوں گے؟ کتنے اہلِ مال اسراف و تبذیر سے پرہیز کا فیصلہ کرتے ہوں گے؟ کتنی بے پردہ خواتین ایک انقلابی جذبے سے برقعہ یا چادر اوڑھ لیتی ہوں گی اور مخلوط مجالس میں شرکت کو ترک کر دیتی ہوں گی؟ کتنے واعظ لوگوں کو بیوقوف بنانے اور بے سند کہانیاں سنانے اور فرقہ وارانہ نزاعات چھیڑنے سے باز آجاتے ہوں گے؟

میں نے اپنی عمر معاشرے میں چل پھر کر گذاری ہے، اور امیروں اور غریبوں، عالموں اور جاہلوں اور حاکموں اور محکوموں کے حالات کو اچھی طرح دیکھا سمجھا ہے۔ میں اپنے مشاہدے کی بنا پر یہ کہتا ہوں کہ بالعموم مختلف دینی تقاریب سے بار بار گذرنے کے باوجود جو جہاں ہوتا ہے، وہیں رہتا ہے، جس کی جو عادات اور مشاغل ہیں، ان میں کوئی خاص فرق نہیں آتا۔ بلکہ جوں جوں وقت گذرا ہوتا ہے، اتنا ہی زیادہ دینی تہواروں میں بڑھ کر قدم مارتا ہے۔ بیسوائیں کس جوش سے محرم اور میلاد مناتی ہیں، تارکِ صوم حضرات کس ٹھاٹھ سے عید کا جشن مناتے ہیں۔ حرام کمائیاں کرنے والے کتنا کتنا خرچ کرکے قربانیاں دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ بڑے بڑے ستمگر حج کرکے پچھلے گناہ بخشوانے اور اپنے زعم سے نیا لائسنس حاصل کرتے ہیں۔

ان گنتی کی مستثنیٰ مثالوں کو چھوڑ دیجیے جو بہرحال کسی بھی تحریک سے نیکی کی جانب جھک جاتی ہیں،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مگر جن کی سلیم الفطرتی عام بگاڑ کے سیلاب کا رُخ موڑنے پر قادر نہیں ہوتی۔ بقیہ اکثریت کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ عین ان مبارک دنوں میں بھی ظلم و گناہ کی درانتی سے حرام کی کھیتیوں سے فصلیں کاٹتے ہیں۔

ایسا کیوں ہے؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کے ایمان خوابیدہ ہیں، اونگھتے رہتے ہیں، اور کوئی ان کو جگاتا نہیں۔ ایمان ہمیشہ اعلیٰ درجے کے شعور کے ساتھ اُبھرتا ہے، مگر یہاں شعور کی تربیت کا کوئی سروسامان نہیں ہوتا۔ سارا زور جذباتیت پر ہوتا ہے اور دینِ حق اور اس کے پہنچانے والے عظیم انسان و پیغمبر سے ہمارا معاملہ رومانی طرز کا رہتا ہے۔

جن طبقوں کا فرض تھا کہ وہ ایمانوں کو جگاتے، شعور کو ابھارتے اور لوگوں کے دل و دماغ کو ایک انقلابی داعیے سے مالا مال کرتے، اُن میں سے کچھ تو اپنے علم کی بہار دکھانے کے درپے رہتے ہیں، کچھ جذباتی لہریں پیدا کرنے کے ماسوا کچھ نہیں کر سکتے، کچھ لوگوں کو حضورؐ کی شخصیت و سیرت کو ایسی فوق الانسانی عجوبگوں کا مجموعہ بنا کر پیش کرتے ہیں کہ عوام میں جذبۂ طاعت و اتباع پیدا ہو ہی نہیں ہو سکتا، کیونکہ وہ اپنی انسانیت کو اپنے ارتفاع میں ناقابلِ عبور رکاوٹ سمجھ کر مایوس ہو جاتے ہیں۔ کچھ وہ ہیں جو حضورؐ کی ذات اور کارناموں کو اپنی مخصوص فرقہ وارانہ رنگین اور محدود عینک سے دیکھنے اور دکھاتے ہیں اور اُن کو سب سے بڑھ کر فکر اس بات کی ہوتی ہے کہ سامع یا قاری اُن کے فرقے سے چپکا رہے۔ پھر حضورؐ کی شان کو بلند سے بلند تر کر کے دکھانے والے حضرات لوگوں پر یہ اثر ڈالتے ہیں کہ حضورؐ سے نسبت رکھنا اور حضورؐ پر درود بھیجنا حضورؐ کی شفاعت کے لیے کافی و وافی ہے، چاہے معاش و معاشرت کے اعمال و احوال کچھ ہی ہوا کریں۔

اور پھر جدید تعلیم یافتہ حضرات کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جو رسولِ برحق کی شان میں فلسفیانہ مقالات لکھ کر اُن کو بھاری بھرکم دانشورانہ اصطلاحات سے آراستہ کر کے تعلیم یافتہ لوگوں سے داد لیتا اور سادہ لوگوں کو مرعوبیت میں ڈال کر چھوڑ دیتا ہے۔

بہ حیثیت مجموعی ہماری تقاریب و تقاریر اور کانفرنسوں اور جلوسوں پر نمائش کا اتنا تیز رنگ چڑھ گیا ہے کہ اخلاص کی روح کا پتا نشان لگانا مشکل ہو گیا ہے اور ذہنوں میں انقلاب یا کرداروں میں تغیر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پُرزور رُوحِ اخلاص سے کام لیے بغیر نہیں لایا جا سکتا۔

رسولِ خاتم النبیینؐ ایمان اور خُلق کے جس رتبۂ بلند پر فائز ہیں اور جو مقامِ قرب و مقبولیت بارگاہِ الٰہی میں آپؐ کو حاصل ہے، وہ اجمالاً ہر اُس شخص پر واضح ہے جو حضورؐ پر ایمان رکھتا ہے۔ پس ہر سال، ہر جلسۂ سیرت میں اور ہر مسجد کے منبر سے اُس انسانِ اعظم کی رفعتوں کو بیان کرتے رہنا کافی نہیں، اُمت کو یہ بھی بتانا ضروری ہے کہ اس ہستیٔ مبارک کے ساتھ آپ لوگوں کا تعلق کیا ہونا چاہیے اور حضورؐ کے کون سے حقوق آپ پر واجب آتے ہیں جن کے ادا کرنے سے ایمانی و اخلاقی اور انفرادی و اجتماعی زندگی سنورتی ہے۔ ضرورت اُس ہستیٔ بلند کی رفعتوں کی جانب بڑھنے کی ہے تاکہ ہم نفس پرستی اور دُنیا پرستی کے چکر سے نکل سکیں۔

یہاں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ حقوق عرض کیے جاتے ہیں جن کی ادائی کے بغیر دارین کی فلاح و سعادت کا حصول ممکن نہیں۔

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کا پہلا حق ہم پر یہ ہے کہ ہم حضورؐ پر ایمان لائیں۔ اس کے لیے کسی استدلال کی ضرورت نہیں، قرآن اس مطالبے سے بھرا پڑا ہے، اذانوں میں رسالت کی شہادت دی جاتی ہے، اسلام لانے کے لیے شرطِ لازم خدا کی توحید کے ساتھ حضورؐ کی نبوت پر ایمان لانا ہے۔ انہی دو باتوں پر کلمۂ طیبہ مشتمل ہے۔

مگر ایمان کی حقیقت و ماہیت سے عام طور پر ناواقفیت پائی جاتی ہے۔ ایمان صرف زبانی اقرار کا نام نہیں، قلبی تصدیق بھی چاہیے۔ ایمان شعور کا بھی درجۂ کمال ہے اور جذبات کی حرکت بھی رکھتا ہے۔

انسان کی پوری ہستی اور اُس کی جملہ ذہنی و قلبی اور عقلی و جذباتی کیفیات جب کسی حقیقت کی جانب بھرپور طریق سے متوجہ ہو جاتی ہیں تو پھر وہ حقیقی اور مکمل ایمان سے مالا مال ہوتا ہے۔ خوابیدہ ایمان، غیر شعوری ایمان، غیر جذباتی ایمان، گُنگ ایمان، تشکیک آلودہ ایمان یہاں مطلوب نہیں ہے، ایسا ایمان مطلوب ہے جو زندگی پر چھا جائے اور تمام معاملات و مسائل کی باگ ڈور سنبھال لے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ماننے کی بات صرف اتنی ہی نہیں کہ حضورؐ نبی و رسولؐ تھے یا اور ہیں، بلکہ اس کا لازمی پہلو یہ ہے کہ وہ ایمان لانے والے کے لیے ہادی، مرشد اور قائد و رہبر ہیں۔ حضورؐ پر ایمان لانے والے کے لیے جائز نہیں رہتا کہ وہ کسی اور کو زندگی کا ہادی و مرشد یا فکری و عملی قائد و رہنما تسلیم کرے۔

ایمان بالرسالت کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ محمد رسول اللہ کو آخری نبی تسلیم کیا جائے جن کے آنے سے دین مکمل ہوا، الٰہی نظامِ ہدایت قیامت تک کے لیے ساری انسانیت پر واجب القبول ہوا اور آخری شریعت ایک ایسا وسیع و جامع پیرایہ اختیار کر گئی کہ وہ ہر قسم کے معاشروں میں نافذ ہو کر اُن کو پیش آنے والے نو بنو مسائل کو حل کر سکتی ہے۔

اس ایمان کا ایک لازمی تقاضا رسول اللہ سے محبت رکھنا ہے۔ آدمی جس کسی پر حقیقت میں ایمان لاتا ہے اُس سے محبت کرتا ہے۔ اُس سے بے رُخی اور بے توجہی نہیں برتتا۔ حضورؐ کے اپنے ارشاد کے مطابق آپ سے ایسی محبت رکھنا ہم پر واجب ہے جو ہمارے ماں باپ، اہل و عیال اور مال و منال ہر چیز کی محبت کے مقابلے میں زیادہ زوردار ہو۔ تمام محبتوں پر غالب آجائے۔

منشا یہ ہے کہ جب کسی معاملے میں حضورؐ کے احکام اور اپنے اقرباء و اعزہ کی خواہشات یا مالی مفاد میں تصادم ہو جائے تو حضورؐ کی محبت کی خاطر مقابل کے تمام رجحانات کو قربان کر دینا چاہیے۔ صحابہ کرامؓ نے ایسا ہی کر کے دکھایا۔

محبت کی ایک ابتدائی شکل ادب ہے۔ حضورؐ کے ادب کا ایک تقاضا یہ ہے کہ آپ کا نام احترام کے القاب و آداب کے ساتھ لیا جائے۔ دوسرا تقاضا یہ ہے کہ خدا اور اس کے رسولؐ کے سامنے حدِّ ادب سے آگے نہ بڑھا جائے۔ (لا تقدموا بین یدی اللہ ورسولہ) اُونچی آواز میں حضورؐ کے سامنے بات نہ کی جائے (لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی)۔ ان احکام کا تقاضا آج یہ ہے کہ ہم سب کا مرتبہ خدا کے حضور بندگی کا اور رسول اللہ کے سامنے اطاعت گذار اُمتی کا سا ہونا چاہیے۔ جو کچھ ارشادات اُدھر سے ہوں اُن کے متعلق بڑھ بڑھ کر باتیں نہ بنائی جائیں اور بڑے بول نہ بولے جائیں۔

آج حال یہ ہے کہ بعض بدبخت حضورؐ کا یا حضورؐ کی شریعت کا مذاق تک اُڑاتے ہیں، بعض حضورؐ کی ثابت شدہ احادیث کو بے وقعت گردانتے ہیں، بعض بڑی بے باکی سے قرآن و حدیث میں تحریفیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتے ہیں، بعض حضورؐ کو بطور اسوہ و نمونہ قبول کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ خدا کی مرضیات و احکام کے بھی خلاف ہے، اور حضورؐ کے سامنے شدید گستاخی بھی۔ حضورؐ کے سامنے گستاخی کی سزا بربادیٔ اعمال بتائی گئی ہے، یعنی کیا کرایا سب غارت۔

رسولِ برحق کا تیسرا حق جو ایمان اور محبت کا لازمہ ہے، یہ ہے کہ حضورؐ کی اطاعت کی جائے۔ قرآن میں اطاعتِ رسول کا حکم ہے۔ حتیٰ کہ خدا کی اطاعت کی صورت بھی یہی ہے کہ حضورؐ کی اطاعت کی جائے، کیونکہ آپ کو تمام انبیاء کی طرح امت کے لیے مطاع (واجب الطاعت) ٹھہرایا گیا ہے۔

اطاعت ایک تو اس حیثیت سے کہ رسول خدا ہمارے لیے معلّم و مزکّی ہیں۔ آپ کی تعلیم و تربیت کے سانچے میں ڈھلنا ہم پر واجب ہے۔

دوسری حیثیت حضورؐ کے شارع ہونے کی ہے۔ ہر وہ چیز جسے شریعت کے طور پر آپؐ نے تلقین فرمایا وہ ہمارے لیے اسی طرح واجب الاطاعت ہے جیسے قرآن مجید میں بیان شدہ خدا کے اوامر و نواہی۔

تیسری حیثیت حَکَم ہونے کی ہے۔ یعنی زندگی کا جو بھی جھگڑا اور اختلاف سامنے آئے اُس کا فیصلہ حضورؐ کی تعلیم سے طلب کیا جائے گا۔ بات چاہے نظریاتی بحث و جدال کی ہو، گھریلو اور کاروباری نزاعات ہوں، عدالتی مقدمات ہوں یا اسمبلیوں کی بحثیں، ان سب میں اگر حضورؐ کو حَکَم تسلیم نہ کیا جائے، آپؐ کے اوامر و نواہی کو خوشی خوشی تسلیم نہ کیا جائے۔ اور اُدھر سے جو رہنمائی دی گئی ہو اس کے آگے سرِ تسلیم خم نہ کر دیا جائے تو سرے سے ایمان ہی کی خیر نہیں۔ (لا یومنون حتّٰی یحکموک فیما شجر بینھم)۔

چوتھی حیثیت شارحِ وحی اور مبیّنِ قرآن ہونے کی ہے۔ یعنی قرآن نے اعلیٰ درجے کے حکیمانہ انداز سے جن حقائق یا احکام کو بیان کیا ہے اُن کی تفصیل نہ صرف زبان سے بتانا بلکہ عمل کر کے دکھانا کہ قرآن کا منشا اس طرح ہے، یہ حضورِ پاک کا مقرر شدہ منصب ہے۔ حضورؐ پر ایمان لانے والے ہر شخص کے لیے لازم ہے کہ وہ اس منصب کو تسلیم کرے اور دین و شریعت کی حقیقت کو اُس طرح قبول کرے جیسے حضورؐ نے اسے پیش کیا، اور اوامر و نواہی پر اس طرح عمل کرے جس طریق سے حضورؐ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے عمل کیا۔

پانچویں حیثیت اسوہ و نمونہ ہونے کی ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خود اللہ تعالیٰ نے ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگیوں کے لیے اپنے رسول کو اسوہ و نمونہ قرار دیا۔ جو اسوہ و نمونہ وہاں سے ملے اس کی پیروی کرنا لازمۂ ایمان ہے۔

چھٹی حیثیت قائد و رہنما کی ہے۔ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے مستقل قائد و رہنما ہیں۔ دین کا کام جس طرح آپؐ نے کیا، اس کے مختلف مراحل سے جس طرح گذرے، زندگی کے مختلف معاملات میں جو رہنمائی آپ نے دی، زندگی کا جو نظام اور اس کے مختلف شعبوں کا جو ڈھانچہ آپ نے قائم کیا اور خدا پرستانہ بنیادوں پر جس نقشے پر ایک جامع تہذیب و تمدن کو استوار کیا۔ یہ سارا کچھ ہمیں اس ایمانی جذبے سے جوں کا توں قبول کرنا ہے کہ اس کی تلقین ہمارے قائد و رہنما نے کی ہے۔ نبیٔ اکرم کو قائد و رہنما ماننے کے بعد، عملاً زندگی کی رہنمائی کی بھیک کسی اور دروازے سے مانگنا یا فکری و عملی دائرے میں باطل کے کسی علمبردار کو قائد و رہنما ماننا یا مسلمانوں میں سے کسی کو یہ درجہ دینا کہ وہ حضورؐ کی تعلیمات میں ردّ و بدل کر سکتا ہے یا وہ بھی ویسی ہی قیادت و رہنمائی کا مقام رکھتا ہے، یہ ساری باتیں ایمان بالرسالت کے خلاف ہیں۔ حضورؐ پر ایمان لانے والے بزرگانِ دین، علماء و مفکرین اور فقہاء و صلحاء کا صرف یہ مقام تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ وہ ہمارے لیے ذریعہ بنیں حضورؐ کی قیادت و رہنمائی سے استفادہ کرنے کا نیز حضورؐ کی بارگاہ علم و حکمت تک پہنچانے کا۔

اِن ساری حیثیتوں سے رسول اللہ کی اطاعت ہم پر لازم ہے۔ جو کوئی دانستہ آپ کی اطاعت کو اختیار کرنے کی کوشش نہیں کرتا، وہ محبت کے دعوے اگر کرتا ہے تو کھوکھلے دعوے ہیں۔ اِس محبت کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص صبح سے شام تک کسی آقا کے سامنے اس کی مدح و ستائش کرتا رہے اور "میں قربان، میں قربان" کی رٹ لگائے رکھے، لیکن آقا کی طرف سے اگر کہا جائے کہ ذرا پانی کا ایک گلاس لا دو، تو وہ سُنی اَن سُنی کر دے اور ٹس سے مس نہ ہو۔

ایک شخص اپنے اعتقاد کو وہ شکل نہیں دیتا، جیسی حضورؐ نے مقرر کی، وہ قرآن اور حضورؐ کی تعلیمات سے آگاہی حاصل نہیں کرتا، وہ عبادات کی پابندی نہیں کرتا، وہ حلال و حرام کی تمیز سے بے نیاز ہے، وہ ادنیٰ ادنیٰ مفادِ دنیوی کے پیچھے دوڑتا پھرتا ہے۔ وہ مخالفِ اسلام نظریات کا

(باقی ص۴۴۴)

© rasailojaraid.com